ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

آمنہ محمد اقبال
پی ایچ ڈی اردو اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر سید عون ساجد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

افتخار عارف کی شاعری میں تصورِ مرگ وزیست

Amina M.Iqbal*
PhD Urdu Scholar, Federal Urdu University, Islamabad.
Dr. Syed Aoun Sajid
Assistant Professor Urdu, Federal Urdu University, Islamabad.

***Corresponding Author:**

Concept of Life and Death in Iftekhar Arif's Poetry

The concept of Death and life are two inseparable realities. Death is actually the end of life. Everyone acknowledges the fact that every soul has to go through the harsh stage of death. Death is actually the name of the soul leaving and separating from the body. Death is not the name of annihilation, but the transition from one world to another world is called death. The concept of death and life has been a popular idea in the literature of the world. If we talk about Urdu literature, every known and unknown poet has written in it. Iftikhar Arif is considered one of the most distinguished poet of Urdu. His poetry has a prominent religious color. He has presented the concept of the status of the world and the hereafter in different ways in his poetry. On the concept of death and life there are many such poems in "Kitab-e- Dil-o- Duniya" which helps a lot to understand his opinion. The purpose of writing this research article is to clarify the concept of death and life in Iftikhar Arif's poetry.

Key Words: *Iftekhar Arif, Kitab-e-Dil-o-Dunia, life, death, Urdu poetry, status of the world, life after death, Marg o Zeest, zindagi awr mout, faani.*

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

موت اور زندگی دو لازم وملزوم حقائق ہیں۔ موت زندگی کے عمل کا فطری اختتام ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے موت جسمانی زندگی کی تحلیل اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔ مولانا محمد اعظمی کے بقول:

> "ہر انسان خواہ کسی مذہب سے وابستہ ہو یا نہ ہو، اللہ یا غیر اللہ کو معبود مانتا ہو یا نہ مانتا ہو اس حقیقت کو ضرور تسلیم کرتا ہے کہ اس کی دنیاوی زندگی عارضی وفانی ہے۔ ایک روز سب کچھ چھوڑ کر اسے موت کا تلخ جام پینا ہے۔ گویا موت زندگی کی ایسی ریٹائرمنٹ ہے جس کے لئے عمر کی قید نہیں"۔[1]

موت کیا ہے؟ کیا موت نیستی ونابودی کا نام ہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو موت کہتے ہیں؟ یہ سوال شروع سے بشر کے سامنے تھا۔ اہل مادہ کے نزدیک موت نیستی ونابودی ہے جبکہ اہل دین اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ قرآن میں موت کے لئے لفظ "توفی" استعمال ہوا ہے یعنی اپنی منزل تک پہنچ جانا، روح کو اپنے پاس بلالینا، مطلب یہ ہے کہ انسان موت کے وقت اپنی تمام تر شخصیت اور حقیقت سمیت اللہ تعالی کے پاس چلا جاتا ہے۔ جسم سے روح نکلنے اور جدا ہونے کا نام موت ہے۔ دینی نقطہ نظر سے مرگ نیستی ونابودی نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال یا منتقل ہونا ہے یا یوں کہیے ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف منتقلی کا نام مرگ یا موت ہے۔

زندگی اور موت کا رشتہ ازل سے ہے لیکن ان دونوں کے مقاصد یکسر مختلف ہیں۔ زندگی میں فکر وعمل کی اہمیت ہے اور موت اس کے ثمر واثر کا موقع محل ہے۔ اسلام نے موت وحیات کی حکمت اور فلسفے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (سورہ ہود آیت نمبر ۷) یعنی موت وحیات کو اللہ تعالی نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ زندگی میں انسان جو کچھ کرے موت کے بعد اس کا محاسبہ کرکے واضح کر دیا جائے کہ کس نے بہتر عمل کیا ہے۔

مرگ وموت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات وحیات از خود پیدا ہوئی ہے ان کا موت کے بارے میں بھی یہی خیال ہے کہ یہ کائنات وحیات خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ نے ایک خاص مقصد کے تحت اس کائنات اور اس میں بسنے والوں کو وجود بخشا ہے۔ سلطان بشیر محمود لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

"قرآن مجید کے مطابق زندگی اور موت ایک ہی چیز کے دو حالتیں ہیں۔ وجود کی دو کیفیات ہیں۔ جس طرح پانی کی حالتیں ہیں برف، مائع اور بخارات۔ اگرچہ ظاہری طور پر ان تینوں حالتوں کی آپس میں کوئی مماثلت نہیں ہے لیکن درحقیقت تینوں پانی ہیں۔ یوں ہی انسان کا وجود ایک مسلسل سفر میں ہے اس سے پہلے ہم ایک اور دنیا میں تھے جسے عالم ارواح کہا جاتا ہے اس دنیا کے بعد بھی ہم کسی دوسری حالت میں ہوں گے۔"(۲)

دینی نقطہ نگاہ سے دنیوی حیات و ممات کچھ اور ہے اور اخروی کچھ اور۔ دنیا میں روح کا جسم سے اتصال حیات ہے اور روح کا جسم سے انفصال موت ہے۔ انسان اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک اس کے جسم میں روح موجود رہتی ہے۔ جب اس کے جسم سے روح نکل جاتی ہے تو جسم گل سڑ جاتا ہے لیکن روح عالم ارواح میں ہمیشہ قائم رہتی ہے۔۔ اسلام سمیت تمام مذاہب عالم کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جس طرح خالق کائنات نے ہمیں پہلی دفعہ پیدا کیا ہے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہ اخروی حیات ہو گی۔

زندگی اور موت ہر زبان کی شاعری میں روز اول سے ایک مقبول خیال رہا ہے اور تمام چھوٹے بڑے شاعروں نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اردو شاعری کی حسین روایت میں بھی اس تصور کو شاعروں نے نئے اور اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ ہر عہد کی شاعری میں اس تصور کو پیش کرنے کا انداز اگرچہ مختلف رہا ہے لیکن بحیثیت مجموعی اس موضوع کا تواتر و تسلسل قائم رہا ہے۔ افتخار عارف جدید نسل کے شعرا میں سنجیدہ و باوقار شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کو جدید عہد کی توانا آواز سمجھا جاتا ہے۔ "کتاب دل و دنیا" کے دیباچے میں مبین مرزا لکھتے ہیں:

"افتخار عارف جدید اردو شاعری کا ایک ایسا معروف نام ہے جن کی انفرادی شناخت کے نہ صرف خدوخال واضح ہیں بلکہ اسے اعتبار سخن کی سند بھی عوام و خواص میں مل چکی ہے۔ ایک طرف مشاعرے کی تہذیب سے واقف اہل ذوق ان کے کلام کو سراہتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اہل نظر ان کی قدردانی کرتے دکھائی دیتے ہیں"۔(۳)

افتخار عارف کی شاعری مذہبی اور انقلابی نوعیت کی ہیں۔ معاشرتی جبر کے خلاف ان کے ہاں احتجاج کا عنصر ملتا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

"افتخار عارف کا احتجاج متشددانہ آتش بار یا غضب ناک نہیں، یہ ایک محبت کرنے کا احتجاج ہے۔ درد آمیز ہمدردانہ اور مخلصانہ ہے۔ زندگی کے کرب اور بے زمینی کے احساس دونوں نے مل کر ایک نئی تڑپ اور نئی تاثیر پیدا کر دی ہے"(۴)

افتخار عارف بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن ان کی نظم بھی جاذب و پر کشش ہے۔ ان کی نظموں میں جدت انہیں اپنے ہم عصر نظم گو شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ ایک حقیقت پسند شاعر ہیں ان کو کلاسیکی شاعری کا عمیق مطالعہ بھی حاصل ہے۔ ان کا کلام ایک ایسا گلدستہ ہے جو جدت کے ساتھ کلاسیکی گلزار سخن کے رنگ و خوشبو سے ہم آمیز ہے۔ وہ مروجہ اسالیب اور اوزان و بحور کو نئے تجربات کے ساتھ یوں پیش کرتے ہیں کہ گویا ایک نیا معنی و مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ موصوف ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ لکھنو کا ادبی مزاج ان کی شاعری میں واضح نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر شاہین مفتی لکھتی ہیں:

"افتخار عارف لکھنو کی درگاہی نظام کی ایک ایسی شہر زاد بن گیا، جس کے دامن خیال میں ہزاروں کہانیاں چھپی بیٹھی ہوں۔ خطابت اور لفظی سجاوٹ کے داؤ پیچ اس کی طبع موزوں کے لیے تازیانہ ثابت ہوئے۔ ذہین اور عالی دماغ تو وہ تھا ہی، اسماعیل میرٹھی کی سماجی نظموں، انیس و دبیر کے مرثیوں، میر حسن کی مثنویوں، آتش و ناسخ کے غزلوں نے اس کے نظام شعری کا قبلہ درست کرنے میں مدد دی"۔(۵)

افتخار عارف کی شاعری میں روحانیت کا عنصر نمایاں ملتا ہے۔ بتایا جاتا ہے اس کے پیچھے ان کے نانا کی تربیت کا عمل دخل تھا آپ کے نانا ایک صوفی منش انسان تھے۔ افتخار عارف موصوف کے ساتھ صوفیا کے محافل میں شریک ہوا کرتے تھے یہی وجہ ہے افتخار عارف کی شاعری عجز و انکساری اور خضوع و قناعت کا پیکر ہے۔ فتح محمد ملک صاحب کے بقول افتخار عارف انحراف کے زمانے میں اثبات کے شاعر ہیں۔ ملک صاحب کی یہ بات قرین حقیقت ہے، افتخار عارف نے ظلم و ناانصافی کے خلاف کھل کر آواز اٹھائی ہے۔ اس کے لیے انہوں نے کربلا، موت، قیامت عذاب، جنت اور جہنم جیسے استعارے استعمال کیے ہیں۔

یہ ساری جنتیں یہ جہنم عذاب و اجر
ساری قیامتیں اسی دنیا کے دم سے ہے۔(۶)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

ان کے شاعری کے مجموعوں میں بارھواں کھلاڑی، مہر دو نیم، جہان معلوم، شہر علم کے دروازے پر اور کتاب دل و دنیا شامل ہیں۔ مبین مرزا ان کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"زندگی میں افتخار عارف کا رویہ ایک سائل کا ہے اور شاعری میں اس دنیا کی حقیقت ان پر کھل جاتی ہے، تب وہ اس حاصل زندگی کو ہیچ جانتے اس کی فرومائیگی کا اعتراف کرتے اور اس کی طلب پر نفرین بھیجتے دکھائی دیتے ہیں۔"(۷)

جیتا ہوا میدان کہ ہاری ہوئی بازی
اس خانہ خرابی کی اذیت سے ملا کیا!(۸)

زندگی میں کامرانیاں سمیٹنے کے باوجود بھی افتخار عارف کی شاعری میں گہری اداسی اور ملال نظر آتا ہے، ایسی یاسیت جو ان کی روح میں گہرا خلا پیدا کرتی ہے ان کی پوری شاعری پر نگاہ ڈالنے سے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ رنگ انہوں نے مشغلہ یا فیشن کے طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ یہ ان کے دل کی آواز ہے۔ فن کی مٹی کا مسئلہ بھی عجیب ہے کہ اس میں اجنبی پودے جڑ نہیں پکڑتے۔ یہاں تو صرف ایک شاخ نہال غم (جسے دل کہتے ہیں) ہری ہو جاتی ہے۔ شاعر خوب جانتا ہے کہ وہ کس ابتلا کا شکار ہے اور کس طرح کے تجربات سے دوچار ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہ دنیا کتنی ہی پر رونق نظر آئے، اس کا ظاہر کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو، مگر اندر کا حال خراب ہے۔ جہاں اداسیاں اور ویرانیاں بسیرا کرتی ہیں۔ ڈھلتی عمر کا شدید احساس جو انسان کو موت سے قریب کر دیتا ہے یہ فرد کو درپیش بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو جھٹلانا ناممکن ہے۔ انسان لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اپنے بقا کو یقینی بنانے میں ناکام رہا ہے۔ یہ ایک ایسا کرب ہے جو انسان کو داخلی طور پر تنہا کر دیتا ہے، اور وقت مقررہ کی دہشت سے اس کا دل ڈوبا جاتا ہے۔ اس کیفیت کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

مات پہ مات دیے جاتی ہے ڈھلتی عمر
دل ڈوبا جاتا ہے بدن کی ارزانی سے(۹)

افتخار عارف کے ہاں داخلی تنہائی کا کرب انہیں موت کی تمنا کرنے پر بھی مجبور کر دیتا ہے وہ ایسی تنہائی پر موت کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں:

خواب کی طرح بکھر جانے کو جی چاہتا ہے
ایسی تنہائی کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے۔(۱۰)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

افتخار عارف کی شاعری میں حزن و ملال اور مایوسی کا رنگ کسی نا آسودگی یا محرومی کا پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو حاصل اور وصال کے انتہا تک پہنچنے کا نتیجہ ہے، اور وجود کے بے ثبات مقامات سے گزر کر روح کی سچائی اور دائمی احوال تک پہنچنے کا ماجرا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر یہ کھلتا ہے کہ آدمی جس کو حقیقت سمجھ رہا تھا وہ محض خیال تھا۔ رووف امیر رقم طراز ہیں:

> "دنیا ایک ایسا حجاب ہے جو جلوہ حقیقی کے راستے میں حائل ہے، اور دنیا کی رغبت انسان کو درد کی نعمت سے محروم کر دیتی ہے"(۱۱)

راس آنے لگی دنیا تو دل نے کہا کہ جا!
اب تجھے درد کی دولت نہیں ملنے والی۔(۱۲)

انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کی خواہشیں کبھی نہیں مرتیں۔ انسان کے اندر خواہشات کا جنم لینا ایک فطری عمل ہے۔ یہ انسان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر قبر میں اترنے تک جاری رہتا ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل میں انسان پوری زندگی گزار دیتا ہے، لیکن اس کی خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتیں۔ زیادہ سے زیادہ کے حصول کی کوشش میں وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اسے ایک دن مر جانا بھی ہے، اور اس کا سب کچھ اس دنیا میں رہ جائے گا اس حوالے سے افتخار عارف یوں گویا ہوتے ہیں:

آرزوں کا ہجوم اور یہ ڈھلتی ہوئی عمر
سانس اکھڑتی ہے نہ زنجیر ہوس ٹوٹتی ہے۔(۱۳)

افتخار عارف کی شاعری میں جس اداسی اور تنہائی کا احساس ملتا ہے وہ رومانوی جذبے سے لے کر وجودی تجربات سے ہوتا ہوا روحانی احساسات تک پہنچتا ہے۔ وہ دراصل افتخار عارف کی مذہبی اقدار سے گہری وابستگی کا نتیجہ ہے۔ ان کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ وہ بچپن میں اولیاء اللہ اور صوفیا کے محفل میں باقاعدگی سے شریک ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ہمیں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے یہ تصور واضح ہوتا ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے انسان اس دنیا میں تنہا آیا تھا اور اکیلا ہی اس دنیا سے چلا جائے گا:

یہ اب کھلا کہ کوئی بھی منظر مرا نہ تھا
میں جس میں رہ رہا تھا وہی گھر مرا نہ تھا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

میں جس کو ایک عمر سنبھالے پھرا کیا
مٹی بتا رہی ہے وہ پیکر میرا نہ تھا۔ (۱۴)

اگرچہ اس دنیا میں کسی چیز کو دوام حاصل نہیں ہے، لیکن شاعر کے نزدیک امام حسین جو ایک خاص مقصد لے کر کربلا کے میدان میں اترے تھے اور جس پامردی اور صبر سے مصائب و مشکلات کا سامنا کیا، وہ جرات و بہادری اور حریت کی ایک لازوال داستان ہے۔ جو زندگی کا اختتام نہیں بلکہ استمرار ہے۔ حریت فکر اور خدا کی حاکمیت کا پرچم بلند کرنے کے لیے انہوں نے جو قربانیاں دیں انہی جدوجہد کی بدولت وہ آج بھی زندہ و تابندہ ہیں:

فرات وقت رواں دیکھ سوئے مقتل دیکھ
جو سر بلند ہے اب بھی وہ سر حسین کا ہے
زمین کھا گئی کیا کیا بلند و بالا درخت
ہرا بھرا ہے جو اب بھی وہ سر حسین کا ہے۔ (۱۵)

اپنی شاعری میں افتخار عارف معاشرتی جبر و استحصال کو کربلا میں ڈھائے گئے مظالم کے تناظر میں بیان کرتے ہیں۔ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور ظالم کے آگے ڈٹ جانے کو ہی اصل زندگی سمجھتے ہیں۔ معاشرے کا طاقتور طبقہ جس کے ہاتھوں میں اقتدار کی ڈوری ہوتی ہے وہ عوام کا استحصال کرتا ہے۔ ان کے اذہان کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ اظہار آزادی رائے پر قدغن لگاتا ہے۔ ایسے ظالموں اور اور طاقتوروں کے خلاف زبان کھولنے اور حق بات کہنے سے لوگ خوف کھاتے ہیں۔ افتخار عارف ایسے مظلوموں سے نالاں نظر آتے ہیں جو حق کی گواہی دینے سے ڈرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایسی زندگی سے موت بہتر ہے جو ظالم کا ساتھ دے۔ نظم "صدائے استغاثہ" میں اسی خیال کا اظہار ملتا ہے:

سچائی کی گواہی دینے والے آخر ظالم کو ظالم کہنے سے ڈرتے کیوں ہیں
موت سے پہلے مرتے کیوں ہیں۔ (۱۶)

یہ دنیا عارضی جگہ ہے۔ یہاں انسانوں کو اللہ تعالی نے اعلی مقاصد کے حصول کی غرض سے بھیجا ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کا ہر لمحہ ان اعلی مقاصد پر مشتمل عبادت میں گزارے۔ یہی زندگی ہی توحید و وحدت کی زندگی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں موت انتشار اور بکھراو ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی موت کو یاد رکھتے ہوئے اپنے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

لیے اور دوسروں کے لیے مفید زندگی بسر کرے۔ لیکن حضرت انسان اس حقیقت سے روگردانی کرتا ہے، اپنے اور اپنے جیسوں کے انجام کو دیکھنے کے باوجود تکبر وخود فریبی میں مبتلا رہتا ہے:

خود کو بکھرتے دیکھتے ہیں کچھ کر نہیں پاتے
پھر بھی لوگ خداؤں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ (۱۷)

موت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ شاعر اپنے کلام میں اس حقیقت کا سامنا کرنے اور صبر وہمت سے کام لینے کی ترغیب دیتے نظر آتا ہے:

تجھے موت آئے جو از راہ مفر نہ ڈھونڈ
تیرے سر پہ خاک دل اس قدر بھی برا نہ کر۔ (۱۸)

عطا الحق قاسمی اپنے کالم میں لکھتے ہیں کہ افتخار عارف کو خیال خاطر احباب بہت زیادہ رہتا تھا۔ یہی خیال ان کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ وہ اپنے مہمانوں کو زندگی اور سکون قلب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مہمانوں کی موجودگی دیکھ کر موت واپس پلٹ جاتی ہے کیوں کہ مہمان زندگی کی نوید بن کر آتے ہیں:

موت آئی اور دل کی دہلیز پہ بوسہ دے کر لوٹ گئی
میرے مہمان آئے بیٹھے تھے مجھے تازہ دم کرنے کے لیے۔ (۱۹)

عارضی صورتوں کے جہان کو دنیا کہتے ہیں۔ اس کائنات کی کسی صورت کو ہمیشگی حاصل نہیں ہے قرآن کہتا ہے" كل من عليها فان "یعنی اس میں موجود ہر نقش فانی ہے۔ افتخار عارف سمجھتے ہیں کہ یہ محض گمان ہو سکتا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ قائم و دائم رہے گی اس کی ہر تصویر اور ہر نقش ابدی ہے اس خیال کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ان کے ہاں فنا کا تصور یوں ملتا ہے:

ذرا سی دیر میں دھندلا کے رہ جائے گا ہر نقش
گمان یہ تھا کہ ہر تصویر رہنے کے لیے ہے
ذرا سی دیر میں بجھ جائیں گے سب مہر و مہتاب
یہ دعوی کیا کہ ہر تنویر رہنے کے لیے ہے
نہ اقلیم ہنر میں عظمت غالب سلامت
نہ اعجاز کلام میر رہنے کے لیے ہے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

کہیں محفوظ ہے لوح فنا پر ایک تحریر
بالآخر ایک وہی تحریر رہنے کے لیے ہے۔ (۲۰)

انسان اپنی عمر کی مختصر مدت پوری کر کے اس دنیا سے چلا جاتا ہے فطرتاً وہ دوام چاہتا ہے، لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ وہ اسے نہیں ملتا، اسے جب موت کا خیال آتا ہے تو فقدان کا عجیب احساس گھیر لیتا ہے۔ لحہ لحہ تعمیر کی گئی زندگی کے رفتہ رفتہ بکھرنے کا خیال سوہان روح ہے۔ شاعر نے اس تلخ حقیقت کو اپنی شاعری میں بھی بیان کیا ہے:

جمے قدموں کے نیچے سے پھسلتی جائے گی ریت
بکھر جائے گی جب عمر رواں کیسا لگے گا
اس مٹی میں مل جائے گی پونجی عمر بھر کی
گرے گی جس گھڑی دیوار جاں کیسا لگے گا۔ (۲۱)

موت وحیات انسانی زندگی سے جڑے دو ایسے حقائق ہیں جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اسی لیے موت وحیات کا سوال ابتدائے کائنات سے بشر کے سامنے ایک معمہ رہا ہے اور اس موضوع پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہی ہیں کہ موت کیا ہے؟ زندگی کسے کہتے ہیں؟ کیا موت واقعی انسانی زندگی کا اختتام ہوتی ہے؟ کیا انسان موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا؟ زندگی و موت کی مادی تعبیریں بھی پیش کی گئیں اور مذاہب کا نقطہ نگاہ بھی سامنے رہا اور ہمیشہ غالب رہا۔ اس لیے اظہار کی ہر صورت میں اس موضوع کے مختلف پہلو ملتے ہیں۔

تصور موت عالمی ادب میں ایک خاص مقام کا حامل رہا ہے۔ اسی تناظر میں اردو شاعری میں موت وحیات کا فلسفہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ مختلف عہد میں اس کے انداز میں تبدیلی آتی رہی لیکن بحیثیت مجموعی اس کا مطالعہ کافی متنوع و دلچسپ ہے۔

افتخار عارف کی شاعری میں مرگ و زیست کے موضوعات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس موضوع کو جس فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا تعلق چونکہ ایک مذہبی گھرانے سے ہے اسی لیے ان کے تصورات میں گھر کی روحانی تربیت جھلکتی ہے۔ ان کی شاعری میں مذہبی عناصر کو ایک عام قاری بھی باآسانی محسوس کر سکتا ہے۔ روحانیت، دین و مذہب، مقاصد زندگی، فلسفہ کائنات وغیرہ ان کی شاعری کے عام موضوعات ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

افتخار عارف کی زندگی اگرچہ کامرانیوں سے بھرپور ہے لیکن ان کی شاعری میں تنہائی اور اداسی کا ایک خاص رنگ نظر آتا ہے، اس حوالے سے ناقدین کا خیال ہے کہ جب انسان فکر کی خاص بلندی کو پالے تو اس پر بہت سے حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ حقائق کا انکشاف جہاں لذت آگہی کا حامل ہے وہیں عذاب آگہی سے بھی مملو ہے، جو ادیب و شاعر کے مزاج میں متین اداسی کا باعث بنتا ہے۔ یہی احساس و کیفیت ہمیں افتخار عارف کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ انہوں نے دنیا کی بے ثباتی، موت و حیات کی حقیقت، اور مقاصد زندگی کو انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کی شاعری سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ان کے کلام میں مرگ و زیست کے تصور کو اپنی انفرادیت کے ساتھ ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اعظمی، مولانا "لمحات موت" سرفراز آفیسٹ پریس نیو دہلی سنہ ۲۰۱۰ء صفحہ ۵

۲۔ سلطان بشیر محمود "تلاش حقیقت" دار الحکمت انٹرنیشنل ناظم الدین روڈ اسلام اباد، سنہ ۲۰۱۰ء صفحہ ۱۲۰

۳۔ افتخار عارف "کتاب دل و دنیا" مقصود پریس کراچی سن ۲۰۱۷ صفحہ ۲۱۔

۴۔ ایضا صفحہ ۴۲۱۔

۵۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر "افتخار عارف شخص اور شاعر" اسپیشل فیچر، www.goole.come

۶۔ افتخار عارف "کتاب دل و دنیا" سنہ ۲۰۱۷ صفحہ ۲۸۵

۷۔ ایضا صفحہ ۲۹۔

۸۔ ایضا صفحہ ۳۱۔

۹۔ ایضا صفحہ ۳۳

۱۰۔ ایضا، صفحہ ۳۴

۱۱۔ روف امیر اقلیم ہنر ۳ میگناواہ کینٹ سنہ ۲۰۰۳ صفحہ ۶۸۔

۱۲۔ افتخار عارف "کتاب دل و دنیا" سنہ ۲۰۱۷ صفحہ ۳۵۔

۱۳۔ ایضا صفحہ ۳۸۔

۱۴۔ ایضا صفحہ ۲۷۶

۱۵۔ ایضا صفحہ ۶۸۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

۱۶۔ ایضاً صفحہ ۱۴۴۔

۱۷۔ ایضاً صفحہ ۱۹۵

۱۸۔ ایضاً صفحہ ۲۰۰

۱۹۔ ایضاً صفحہ ۳۲۲۔

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۳۰۷

۲۱۔ ایضاً صفحہ ۳۴۵